از جناب بریگیڈیئر گلزار احمد صاحب ۔ راولپنڈی

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی کتاب "اسلام" پر ایک نظر

کتاب ـــــ اسلام

مصنف ـــــ ڈاکٹر فضل الرحمٰن سابق ڈائرکٹر مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی

مطبوعہ ـــــ آکسفورڈ پریس ویڈنفلینڈ ۔ انگلینڈ

قیمت ـــــ ۲۵/- روپے

زیرِ نظر کتاب ظاہراً نہایت عالمانہ باریکیوں کی حامل ہے۔ مگر اس میں جا بجا تاریخی حقائق کو جھٹلایا گیا ہے، اور اسلام کے متفقہ عقائد کو معنی خیز طریقے پر غلط پیش کیا گیا ہے۔ مصنف اپنی کتاب کے متعلق کہتا ہے ـــ "بنیادی طور پر یہ کتاب واقعات پر مبنی ہے۔ اس لئے یہ واقعیت اور نگاہِ خارجی کی حامل ہے۔ البتہ اس کے بعض مقامات میں ترجمانی اور رائے کا دخل بھی ہے۔ یہ ترجمانی محض تاریخی معنوں میں نہیں اسلامی معنوں میں بھی کی گئی ہے" ـــ اتفاق کہئے یا قصداً یہ ترجمانی اُن ابواب میں کی گئی ہے جو حضور سرورِ کائنات علیہ السلام اور قرآن حکیم سے متعلق ہیں۔ یہ دو ابواب ایمان و ایقان میں بنیادی مقام کے حامل ہیں۔ اب تک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ حکیم کے متعلق مسلمانوں میں بہت ہی کم اختلافات پائے جاتے ہیں۔ لیکن اب اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔ کہ اگر ڈاکٹر فضل الرحمٰن اپنے نظریات کو نشر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو مسلمان قوم سالہا سال تک کشت و خون کے ہنگاموں کا شکار ہوتی رہے گی۔ اور جس طرح گذشتہ صدی کے بعض فتنوں نے مسلمانوں کی معتدبہ تعداد کو خارج از اسلام کر دیا تھا۔ اندیشہ ہے کہ کہیں

یہ فتنہ جدید بھی مسلمانوں کی صفوں میں مزید انتشار کا باعث نہ بن جائے۔ ستم یہ ہے، کہ یہ کتاب قاری کی توجہ اپنی طرف کھینچے رکھتی ہے۔ کچھ تو اس لئے کہ اس کا موضوع اسلام ہے۔ اور کچھ اس لئے کہ اس کتاب میں اسلام پر اس طرح کی شدید چوٹیں کی گئی ہیں۔ کہ ہر لحہ یہ انتظار رہتا ہے۔ کہ اب اس پر کون سا چرکا لگایا جائے گا۔ یہ مصرع کہ ۔۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے ۔۔ اگر کبھی درست آیا ہے۔ تو اس سے بڑھ کر آج تک کبھی نہیں آیا۔

اس کتاب کو پڑھنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے۔ کہ قوم وملک نے جن لوگوں کو اپنے علم کے موتیوں سے گہر ہائے گرانمایہ چن چن کر منظر عام پر لانے کے لئے متعین کیا تھا انہوں نے سرمایہ ملت کے ہر تابدار جوہر بے مثل کو داغدار کہہ کر غلاظت کے انبار میں پھینک دیا ہے، اور ملک وملت کے نادار عوام ایک آہِ سرد لے کر خاموش ہوگئے ہیں۔ اس لئے کہ اس کتاب کو شائع ہوئے دو سال سے زائد عرصہ ہوگیا اور بہت کم لوگوں نے اس کی طرف توجہ کی۔ اسکی ایک وجہ تو یہ بھی ہوسکتی ہے۔ کہ مصنف کے عقائد کے متعلق عوام پہلے ہی سے بدظن ہیں۔ اور اس کی تصانیف کی طرف بہت کم متوجہ ہوتے ہیں، دوسری وجہ یہ تھی کہ ملک میں ایک ایسا طبقہ بھی ہے، جو ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے مجوزہ اسلام کو اپنی لادینی سے قریب محسوس کر کے مطمئن ہوجاتا ہے، اس خیال سے کہ اب اُن کی بے راہ روی اور کتاب وسنت کی کھلم کھلا خلاف ورزی پر کوئی پرسش کرنے والا نہ ہوگا۔ اس سرد مہری اور خاموشی کی ایک اور وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے۔ کہ مصنف نے اسلام کے بنیادی عقائد کو اس چابک دستی سے پامال کیا ہے کہ اگر اُن کی کسی بات پر گرفت کی جائے تو وہ فلسفیانہ اندازِ بیان اور الفاظ کے پیچ وخم کی پناہ لے کر اپنی برئیت ثابت کرنے کی کوشش بھی کرسکتے ہیں۔ الفاظ اور بیان کا یہ کمال اس کتاب کو مزید خطرناک اور ضرر رساں بناتا ہے۔ مثال کے طور پر وحی کا ذکر کرتے ہوئے مصنف لکھتا ہے:

"قرآن خالصتہً کلام الٰہی پر مشتمل ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ نہایت درجہ گہرے طور

جناب بریگیڈیر صاحب ملک کے معروف بزرگ ہیں۔ خدا نے انہیں سیف وسنان کے ساتھ قلم وقرطاس اور دینی بصیرت، ملی جذبات اور درد وسوز سے بھی نوازا ہے۔ دینی اداروں اور علمی اداروں سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس دینی جذبہ کی بنا پر دارالعلوم حقانیہ بھی تشریف لاتے ہیں حال ہی میں دارالعلوم تشریف آوری کے موقعہ پر انہوں نے ادارۂ الحق کو رسوائے زمانہ کتاب "اسلام" پر اپنا تبصرہ پیش فرمایا جو معمولی اضافوں کیساتھ بصد شکریہ شریک اشاعت ہے۔ "ادارہ"

پیغمبرِ اسلام کی داخلی شخصیت کے ساتھ مربوط ہے، جس کا میکانکی طور پر ریکارڈ کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ الفاظ ربانی رسول کے قلب کے راستے وارد ہوتے تھے۔" (ص ۳۳)

ملاحظہ کیا آپ نے؟ قرآن کو اللہ کے الفاظ بھی بتایا گیا ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داخلی شخصیت اور واردات قلب پر بھی زور ڈالا گیا ہے۔ تاکہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ حضور سرورِ کائنات کی داخلی شخصیت کو قرآن کے ساتھ کیوں وابستہ کرتے ہو، تو مصنّف کو یہ کہنے کا موقع ملے، کہ آپ نے میرے الفاظ ملاحظہ نہیں کئے، میں نے تو لکھا ہے ــــ کہ "قرآن خالصتاً کلام ربانی ہے"

اس کتاب میں جہاں کہیں بھی اسطرح کا فتنہ اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے، وہاں ساتھ ہی بیہودہ عقائد کا اعادہ بھی کیا گیا ہے، جس سے مجموعی طور پر پریشان کن اثر پیدا ہوتا ہے اور خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ مذہب سے ناواقف نوجوانوں کو گمراہ کرنے کا اس سے کارگر طریقہ شاید ہی کوئی ہوسکتا ہو۔

بہتر ہوگا کہ ہم مصنّف کے خیالات کو اسی تسلسل سے پیش کریں، جس سے خود مصنّف نے انہیں کتاب میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں :-

"یہ خیال کہ پیغمبر وحی کے دوران حواس قائم رکھتے تھے، بہت بعد کا ہے، جسے علماء نے گھڑ لیا ہے، اس کا مقصد یہ تھا۔ کہ وحی الٰہی کی معروضیت اور فرشتۂ وحی کی خارجیت کو ثابت کیا جاسکے، یہ عقیدہ کہ جبریل کا وجود خارج میں ہے اور رسول پاک پر وحی الٰہی خارج سے نازل ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے ذہنوں میں اس قدر راسخ ہوچکا ہے۔ کہ اب وہ حقیقتِ حال سے آشنا ہونے پر آمادہ نہیں"

یعنی مصنّف کے خیال میں وحی اور شاعرانہ الہام میں کوئی فرق نہیں اور وحی میں کسی طرح کی خارجیت کو دخل نہیں اور جن الفاظ کو حضور نبی کریمؐ وحی کہا کرتے تھے، یا جنہیں قرآن حکیم وحی کے ذریعے لائے ہوئے الفاظ قرار دیتا ہے، وہ حضورؐ کی داخلی شخصیت کا نتیجہ تھے چونکہ داخلی شخصیت اللہ کی پیدا کردہ تھی اس لئے آپ قرآن کو اللہ کا کلام بھی کہہ سکتے ہیں۔

---- یہ ہے وہ استدلال جو مصنف قاری کے سامنے پیش کرتا ہے تاکہ وہ خالصتاً کلام الٰہی کی آڑ میں اپنی بربریت بھی پیش کر سکے۔ یہی وہ مقامات ہیں جن کے متعلق یوسوشی نے صدوردالناس کہہ کے مسلمانوں کو آگاہ کیا گیا ہے۔

قرآن کے متعلق یہ کہہ چکنے کے بعد ضمناً معراج نبوی کے متعلق عامۃ المسلمین کے جو عقائد ہیں ان کی تضحیک ان الفاظ میں کی گئی ہے [1]

> "معراج میں جسمانی طور پر جانے کا جو نظریہ علماء نے من گھڑت حدیثوں کی بنا پر بعد میں پیش کیا۔ وہ تاریخی افسانے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور اس کا مواد مختلف ذرائع سے حاصل کیا گیا تھا۔" (ص ۱۴)

مصنف کہنا یہ چاہتا ہے کہ مسلمان علماء جھوٹ اور افسانہ طرازی میں بھی اس قدر نالائق تھے کہ وہ قابل تسلیم کہانی بھی مرتب نہ کر سکے اور جا بجا من گھڑت احادیث کا سہارا لیتے رہے۔ عوام الناس کے مذہبی عقائد ظاہری عقل سے کتنے ہی بعید کیوں نہ ہوں "فکر و نظر" کے اجارہ داروں کو یہ حق ہرگز حاصل نہیں، کہ وہ اسطرح کھلے بندوں ان کے عقائد کی تضحیک کریں، خصوصاً وہ اصحاب فکر و نظر جن کے نان شبینہ پر خرچ ہونے والی ایک ایک کوڑی ان غریب عوام کے خون اور پسینے کی پیدا کردہ ہو۔ یہ لوگ شاید بھول گئے ہیں، کہ جن عقائد کا وہ مذاق اڑا رہے ہیں، مملکت پاکستان ان کی حفاظت کے لئے وجود میں آئی تھی۔ انہی عقائد کی سالمیت کیلئے لاکھوں انسانوں نے اپنی جانیں قربان کی تھیں اور اب بھی ان عقائد کی حفاظت کیلئے

---

[1] وہ امور جن سے قطعی طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ وحی ایک خارجی چیز تھی نہ کہ واردات قلبی؛ مثلاً جبریل علیہ السلام کا نمودار ہونا، یا دحیۃ الکلبی صحابی کی شکل میں ظاہر ہونا یا حضور اقدس صلعم پر نزول وحی کے وقت خاص حالت اور کیفیت کا طاری ہونا جس سے احادیث کا تمام مستند اور معتبر ذخیرہ بھرا پڑا ہے، ڈاکٹر صاحب ان تمام واقعات کو رجعت پسندوں کی اختراع قرار دیتے ہیں۔ چونکہ معراج جسمانی سے بھی وحی کی خارجی حیثیت صاف طور پر ثابت ہو رہی ہے۔ اس لئے ضرورت پڑی کہ "معراج جسمانی" کے عقیدے پر بھی ہاتھ صاف کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے بلا کسی دلیل وحجت کے معراج سے متعلق احادیث کے تمام مستند ذخیرہ کو من گھڑت اور افسانہ قرار دیا جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی نگاہ میں احادیث کی کیا حیثیت ہے ---- ! (سمیع الحق)

ملک کے دس کروڑ عوام کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ ان مفکروں کو یہ بال کی کھال اتارنا مبارک، مگر انہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسلامی عقائد کو "تاریخی افسانہ" کہہ کر ہمارے قلوب کو مجروح کریں۔ پیغمبر جسمانی طور پر معراج کا اہل ہو سکتا ہے، یا نہیں، اس کا فیصلہ نہ مفکر نہ حکیم اور نہ عالم کر سکتے ہیں۔ یہ اعتقاد کی بات ہے اور پیغمبر کے سوا کون جان سکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کو کون کون سی طاقت بخشی تھی۔؟

پیغمبر اور قرآن

قبلۂ اول کی تبدیلی کے متعلق مصنف کی رائے قابلِ توجہ ہے اس لئے کہ وہ اپنے مرکزی خیال یعنی قرآنِ حکیم کو کلامِ نبوی ثابت کرنے کا یہاں بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، وہ کہتا ہے ـــــ "مسلمان تو یہی کہے گا کہ یہ حکم پیغمبر نے نہیں دیا تھا، بلکہ اللہ نے قرآن کے ذریعہ دیا تھا، ہم قرآن اور پیغمبر کے رشتے پر دوسرے باب میں اپنے خیالات کا اظہار کریں گے، یہاں پر ہم دوسرے مسئلہ کو متاثر کئے بغیر یہ کہنے پر اکتفا کریں گے کہ ہم پیغمبر اور قرآن میں تمیز نہیں کریں گے ـــــ" ہم مصنف کے اس فقرہ کے معنی خود اُسی سے پوچھنے کی جرأت کریں گے کہ اگر وہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قرآن میں تمیز نہیں کرتا۔ تو ظاہر ہے کہ وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ قرآن خود حضور کی تصنیف ہے۔ اگر وہ یہ کہنا چاہتا ہے تو پھر واضح الفاظ میں کیوں نہیں کہتا۔؟ مگر شاید ہم غلطی پر ہیں، اُس نے تو اپنی طرف سے حدِ امکان تک یہ خیال پیش کر دیا ہے۔ اب قاری اپنی مرضی کے مطابق اس سے معنی نکالتا رہے جب مصنف کے الفاظ میں وحی خیال سے الفاظ بنی ہو تو پھر مخاطبِ وحی اور وحی کے ماحصل میں فرق نہیں رہتا۔

مصنف آگے چل کر اسلام کو "تحریکِ محمدیہ" کا نام دیتا ہے۔ یہ نام بھی بے وجہ نہیں دیا جا سکتا۔ قرآن کے متعلق مصنف کے الفاظ یہ ہیں :-

"زندگی کی اتھاہ گہرائیوں سے ایک آواز بلند ہو رہی تھی جو بڑی شدت سے پیغمبر کے ذہن پر دباؤ ڈال کر اپنے آپ کو شعور کی سطح پر واضح کر رہی تھی ــ"

یعنی قرآن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے غور و فکر کا نتیجہ تھا۔ اس کے بعد مصنف یہ کہتے ہوئے نہیں جھجکتا کہ :

"قرآن کا متن کئی جگہ پر واضح طور پر یہ کہتا ہے کہ وہ محض معناً نہیں بلکہ لفظاً نازل ہوا ہے۔"

اس سے شاید باور کرانا چاہتا ہے کہ وہ قرآنی دعوے سے واقف ہوتے ہوئے بھی اپنے عقیدے پر مضبوطی سے قائم رہنا چاہتا ہے۔ بلکہ مصنف کو اصرار ہے کہ قرآن کی خارجیت کا عقیدہ علماء نے صدیوں بعد گھڑ کر مسلمانوں میں رائج کیا۔ مصنف کو اپنی ذہنی بلندی پر ناز ہے وہ علماء سلف کو اپنا ہم پلہ نہیں سمجھتا۔ اس کے الفاظ میں :-

"علماء کے ذہن اتنے ترقی یافتہ نہ تھے (ان کے پاس ذہنی اوزار موجود نہ تھے) کہ وہ یہ دونوں باتیں کہہ سکتے کہ قرآن پورے کا پورا کلام اللہ ہے اور چونکہ اسے پیغمبر کی دینی شخصیت اور عمل کے ساتھ بھی نہایت عمیق تعلق ہے اس لئے پورا کا پورا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام بھی ہے۔ یہ واضح رہے کہ قرآن ان دونوں باتوں کو مانتا ہے۔ کیونکہ جب وہ اس امر پر اصرار کرتا ہے کہ قرآن کا نزول قلب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ہوا ہے تو وہ آپ سے ایک خارجی چیز کیسے ہو سکتا ہے۔؟"

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ مصنف یہ الجھا ہوا نظریہ جان بوجھ کر پیش کر رہا ہے۔ یا وہ صمیم قلب سے اس نظریہ کا قائل ہے۔ قرآن قلب پر نازل ہوا یا ذہن پر۔ لفظ "نزول قرآن" سے ظاہر ہے۔ کہ وہ خارج سے اترا ہے۔ خصوصاً جب جبریلؑ کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا تو پھر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی شخصیت کس طرح اسکی موجب بن سکتی ہے۔ اگر کسی شے کو حضورؐ کی شخصیت سے تعلق ہو سکتا ہے تو وہ حدیث اور سنت نبوی ہے۔ یعنی آپؐ کے اقوال افعال ہی ہیں۔ تعجب آتا ہے تو اس بات پر کہ مصنف تو خود ہی تسلیم کرتا ہے۔ کہ قرآن وحی کو از خارج قرار دیتا ہے۔ مگر یہ تسلیم کرنے کے باوجود وہ یہ کہتا ہے کہ ----- "وحی کا از خارج ہونا علماء کی اختراع ہے جنہوں نے غلط تفاسیر اور من گھڑت احادیث کے ذریعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے"۔ ----- سوال یہ ہے کہ اگر قرآن وحی کو "از خارج" قرار دیتا ہے۔ تو پھر علماء کے اختراع کے کیا معنی۔؟ ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ کہ اگر مصنف قرآن کو سرے سے کلام الٰہی تصور ہی نہیں کرتا اور اسے تصنیف نبوی قرار دیتا ہے۔ تو پھر وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن کے اندر جو ایسی آیات ہیں جن سے وحی کی خارجیت واضح ہوتی ہے وہ بھی چونکہ تصنیف نبوی ہیں۔ اس لئے وہ نعوذ باللہ وحی کو یعنی قرآن کو الفاظ ربانی کا درجہ نہیں دے سکتیں۔ اگر مصنف یہی کچھ کہنا چاہتا ہے تو اسے چاہیئے کہ

وہ مملکت پاکستان کے خزانہ عامرہ سے تنخواہ لینا بند کردے، اور اپنے خیالات کی تبلیغ کے لئے ایک عام شہری کی حیثیت اختیار کرے۔

مصنف آگے چل کر قرآن کو "احساس خیال اور الفاظ" بتاتا ہے۔ یعنی قلب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں احساس پیدا ہوتا تھا، اس سے ان کے ذہن میں خیال کے خدوخال ابھر آتے تھے اور پھر یہی خیال الفاظ کا جامہ پہن لیتا تھا۔ اس کے بعد کا فقرہ بھی قابل غور ہے:

"حبیب محمد کا اخلاقی وجدانی ادراک بلند ترین مقام پر پہنچ کر اخلاقی قانون کا مقام پا لیتا تھا۔ تو الہام (وحی) کے ساتھ ہی ساتھ لفظ بھی دے دیا جاتا تھا۔"

ہم حضور سرور کائنات کی "اخلاقی الہامی نظر" کی بلندی اور پھر از خود "اخلاقی قانون کا مقام حاصل کر لینے کے معنی سمجھنے سے قاصر ہیں۔ صرف اتنی بات سمجھ میں آتی ہے کہ مصنف کے خیال میں حضورؐ کی داخلی کیفیت وحی پر منتج ہوا کرتی تھی اور الفاظ از خود مل جاتے تھے، لیکن ہم مصنف سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر وحی وقرآن حضورؐ کی داخلی کیفیت اور اخلاقی الہامی نظر کی بلندی کا نتیجہ ہے۔ تو پھر "محمد الرسول اللہ" کے کیا معنی ہیں۔؟[1] ہمیں امید ہے کہ اگر مصنف کے پیش نظر صرف ہمارے دین کا مذاق اڑانا نہیں تو بالغ نظری سے کام لیتے ہوئے ہمارے اس سوال کا جواب نہایت سنجیدگی اور ایمانداری سے دیا جائے گا۔ اور فلسفیانہ زبان وبیان سے احتراز برتا جائے گا، واضح رہے کہ ہم یہ نہیں سننا چاہتے۔ کہ ہماری محدود ذہنی صلاحیت اس پیچیدہ مسئلہ کو سمجھنے سے قاصر ہے، اس لئے کہ ہمارا ذہن اللہ کا عطا کردہ ہے۔ اس اللہ کا جس نے

---

[1] ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہم خیال متجددین مغرب زدہ لوگ عموماً چند "ابدی حقیقتوں" اور "اخلاقی قوانین" کی آڑ میں اسلام کا حلیہ بگاڑتے ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک یہ ابدی حقائق مثلاً انصاف مساوات احترام انسانیت ہر دور میں اچھے سمجھے گئے ہیں اسلام ان ہی ابدی حقائق کا نام ہے، حالانکہ شریعت وحی اور رسالت کے بغیر یہ ابدی حقیقتیں صرف اضافی حیثیت رکھتی ہیں۔ دنیا کے کچھ لوگ اور ریفامر جس چیز کو اخلاقی قانون سمجھتے ہیں عین اسی وقت دنیا کی دیگر اقوام اور مصلحین ان قوانین کو ظلم بربریت اور برائیوں کا نام دیتے ہیں۔ اسلام تعلیمات آسمانی کو اصل قرار دیتا ہے، اور اسے اخلاقی اور ابدی صداقتوں کا معیار، نہ کہ بنی نوع کا موجودہ صداقتوں سے انطباقیہ تطبیق کو اخلاقی قوانین اور وحی کہہ دیا جائے۔ (سمیع الحق)

پیغمبر آخرالزماں نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کو وحی کے ذریعے اس لئے اپنے الفاظ میں نازل کیا تھا۔ کہ اس کا تخلیق کردہ انسان اس کے فرستادہ پیغام کو بہ آسانی سمجھ سکے اور اُس پر عمل کر سکے۔

مصنف اس داخلی کیفیت کے ذریعہ قرآن کو کلامِ رسول ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کا استدلال پیش کرتا ہے اور ایک جگہ تو حد سے گزر جاتا ہے، جب وہ کہتا ہے ــــ "وہ ایسا آدمی ہے جو فطرتاً لوگوں اور ان کے مطمع نظر کی طرف سے بے خبر ہے اور تاریخ کو از سرِ نو استوار کرنا چاہتا ہے۔" ــــ ہم اس طرزِ بیان کو گستاخانہ تصور کرتے ہیں۔ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جن کا قول ہے: "لی خرقتین الفقر والجہاد" تاریخ کو از سرِ نو استوار کرنے کی آرزو نہیں رکھ سکتے۔ تاریخ کو اپنے مقاصد کے لئے وہ لوگ استعمال کرنے کے آرزو مند ہوتے ہیں۔ جن میں نام و نمود یا دولت کی خواہش ہو مگر جسے اللہ پکار کر کہہ رہا ہے۔ "یاایھا المدثر قم فانذر" وہ از خود بے صبری نہیں دکھاتا اور نہ ہی اپنی طرف سے تاریخ کو از سرِ نو ترتیب دینے کی کوشش کرتا ہے۔ مصنف شاید انگریزی زبان و بیان پر اپنی قدرت دکھانے کی رَو میں یہ سب کچھ کہہ گیا ہے اور اُسے حضورؐ سرورِ کونین کی شان میں گستاخی کا خیال نہ تھا، گو عظمتِ رسول کے احساس کا فقدان تو اس امر سے ظاہر ہے کہ ساری کتاب میں حضورؐ کے نام کے ساتھ صلوٰۃ والسلام کہیں نہیں۔

احساس خیال اور الفاظ سے چونکہ مصنف یہ بتانا چاہتا ہے کہ قرآن تصنیفِ نبویؐ ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر اس کے لئے دوسرا قدم صرف یہی ہو سکتا تھا کہ وہ کہے کہ فرمانِ نبوی کو دوام حاصل نہیں ہو سکتا۔ مصنف نے ان الفاظ میں تو نہیں کہا، البتہ اپنے مخصوص فلسفیانہ انداز میں اس خیال کا اظہار ضرور کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کے قوانین خود قرآن کی رُو سے دوامی نہیں ہو سکتے۔"

جہاں تک ہمارا علم ہے۔ آج تک کسی مسلمان نے یہ نہیں کہا کہ قرآن کے احکام خصوصاً اس کے قوانین دوامی نہیں۔ مسلمان گنہگار ہوتے ہوئے بھی اور اپنے گناہوں کو تسلیم کرتے ہوئے بھی کبھی اس ارتداد کے مجرم نہیں ہوئے کہ وہ تجاوز کر کے احکام و قوانین قرآن کو ہی منسوخ کہہ دیں۔ قرآن کے قوانین اول تو ہیں ہی گنتی کے۔ شادی بیاہ، طلاق وراثت اور چند کبیرہ

گناہوں کی سزاؤں کے علاوہ قوانین بہت کم ہیں۔ مصنف کے اس خیال کو اگر منطقی حدود تک لے جایا جائے تو پھر معاشرے میں فساد و انتشار کی کوئی حد نہیں رہ جاتی۔ اس فتنۂ عظیم کی تہ میں جو خواہش مضمر ہے، وہ چھپی نہیں رہ سکتی۔ مصنف کا استدلال ایک بار پھر ملاحظہ ہو:

"قرآن کلام الٰہی ہے مگر اسی حد تک کلام نبوی بھی"

پھر

"یہ (قرآن) دوامی ہے۔ مگر اپنی قانونی حیثیت میں پوری طرح دوامی نہیں۔"

یعنی چونکہ نعوذ باللہ یہ کلام نبوی ہے اور دوامی نہیں اس لئے حکیمانہ نظر رکھنے والے جب چاہیں اس کے احکام اور قوانین کے خلاف قانون وضع کر سکتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہلانا یا کہنا بھی جاری رکھ سکتے ہیں۔

حدیث و سنت پر اب تک جو حملے ہو رہے تھے مسلمان اُن ہی سے نہ نمٹ پائے تھے کہ فکر و نظر" رکھنے والوں نے اب قرآن کو بھی اپنا ہدف بنانا شروع کر دیا ہے۔ احادیث کے متعلق مصنف کا نظریہ چھپا ہوا نہیں، وہ جا و بیجا حدیث پر حملہ کرنے سے نہیں چوکتے۔ دراصل جو شخص قرآن کے مقام کو کم کرنا چاہے اُسے حدیث کا احترام کیسے ہو سکتا ہے۔ اب تک قرآن کے کلام اللہ ہونے کا اگر کوئی ثبوت تھا تو وہ قول نبوی تھا، چونکہ حضورؐ نے بار بار فرمایا ہے کہ قرآن کلام الٰہی ہے جو وحی کے ذریعہ ان پر نازل ہوا ہے۔ اس لئے اسے کلام اللہ کا درجہ دیا گیا۔ اب جو قرآن سے اس کا یہ مقام چھیننا چاہے اُس کے لئے

ل قرآن مجید کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی قوانین اور ضوابط کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے بارہا کہا ہے کہ اس میں حالات کے مطابق تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ ایسے معاشرتی امور کیلئے ڈاکٹر صاحب نے تعدد ازدواج کی مثال بھی پیش کی ہے (صفحہ ۲۹) انہوں نے اس مسئلہ کے دور از کار تاویلات کے بعد اسی کتاب میں اصولی طور پر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "قرآنی قانون انسانی آزادی کی ترقی پسندانہ بنیادی اقدار کے رخ کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور اس ضمن میں نئی قانون سازی کی ذمہ داری ظاہر کرتا ہے۔ تاہم قرآن کے اصل ضابطے میں اسی عہد کے معاشرے کو بطور دائرہ کار قبول کرنا پڑا" اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے اصل ضابطے قرآن ہی کی نظر میں لفظی اعتبار سے ابدی نہیں ہو سکتے۔ صفحہ ۲۹

(سمیع الحق)

ضروری ہے کہ پہلے حدیث کو ناقابل اعتبار قرار دے چونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن اور حدیث کو غلط ملط ہونے سے بچانے پر از حد زور دیا تھا اس لئے جدت پسند حدیث کی اہمیت کو سرے سے کم کرنے کی کوششوں میں سرگرداں ہیں مگر حدیث کی اہمیت اسطرح کی کوششوں سے کم نہیں ہو سکتی۔ بہر حال ہمیں خوشی ہے کہ مصنف سرے سے حدیث کا منکر نہیں۔ اس کے الفاظ ہیں :-

"اگر حدیث کو سرے سے نظر انداز کر دیا جائے تو قرآن کی تاریخی بنیاد یک قلم ختم ہو جاتی ہے"

اس فقرے میں بھی "قرآن کی تاریخی بنیاد" کی حفاظت ملحوظ رکھی گئی ہے ، قرآن کے کلام اللہ ہونے کی دلیل کو پیش نہیں کیا گیا۔ شاید اس لئے کہ اس کتاب کا مقصد ہی یہ تھا کہ قرآن کو کلام تو ہی کہہ کر اسکی دائمی قانونی حیثیت کو ختم کیا جائے اور پھر اللہ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز کو قانونی مقام دے دیا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ مصنف خود بھی کلام اللہ کی اکثر حدود کو توڑنے سے ہچکچائے گا۔

مصنف نے جا بجا علماء کے کردار پر حملے کئے ہیں۔ علماء اور فلاسفروں کے درمیان جو اختلافات رہے ہیں ان کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح علماء اور صوفیاء کے اختلافات کو بھی غیر حقیقی رنگ دینے کی کوشش کی ہے۔ ان رنگ آمیزیوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں علماء کے متعلق جو احترام اور قدر و منزلت موجود ہے وہ کم ہو جائے۔ اور مسلمان نئی تحریکوں کو قبول کرنے میں حیل و حجت نہ کریں۔ کہیں علماء پر احادیث گھڑنے کا الزام ہے، کہیں عقلیت دشمنی کا، کہیں انہیں قانون کے پرستار اور کسی جگہ تنگ نظر اور متعصب بتایا ہے ــــــ علماء اور صوفیاء کے درمیان روابط سے مصنف یہ اخذ کرتا ہے۔ کہ اسلام ہمیشہ اپنے اندر تبدیلیاں قبول کرتا رہا ہے۔ اس لئے علماء کو چاہیئے کہ وہ اب بھی اسلام کے اندر تبدیلیاں آنے دیں۔ لیکن مصنف بھول جاتا ہے کہ ماضی میں فلاسفر جو تبدیلیاں لانا چاہتے تھے۔ وہ خارجی اثرات کی پیداکردہ تھیں اور اسی لئے ان کو رد کر دیا گیا تھا۔ آج عقلیت کے پرستار اور نئی روشنی کے چاہنے والے جو تبدیلیاں عریانی اور آوارہ روی کی شکل میں لانا چاہتے ہیں وہ بھی خارجی اثرات کا نتیجہ ہیں، اور اسی لئے علماء نہایت سختی سے ان کے خلاف آواز بلند کرتے رہتے ہیں۔ مصنف کہتا ہے کہ " تاریخ کی نئی ترجمانی کیساتھ

انصاف کرنے کے لئے ضروری ہوگا کہ وحی کے متعلق اعتقادات کو تبدیل کیا جائے۔"

ہم مصنف کو یقین دلاتے ہیں کہ تاریخ کی نئی ترجمانی جتنی بھی اہم کیوں نہ ہو مسلمان وحی اور قرآن کے متعلق اپنے اعتقادات کبھی نہیں بدلیں گے۔ اس لئے کہ جب یہ اعتقادات بدل جائیں گے، تو پھر وہ کسی اور دین کے پیرو ہو جائیں گے۔ مسلمان نہیں رہیں گے۔ مسلمان ہر زمانے میں قرآن و سنت کے متعلق چوکنا رہے ہیں۔ اس لئے کہ ہر دور میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جن کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے: وان الشیاطین لیوحون الی اولیاءھم لیجادلوکم (الانعام)

بقیہ: یادرفتگاں رہا ہے۔ حوصلے اور امید باندھنے کے لئے صرف یہی ایک چیز رہ گئی ہے۔ — مولانا مبارک علی مرحوم سے چند دن قبل دارالعلوم کے ایک اور استاذ شیخ الہندؒ کے تلمیذ اور خادم مولانا عبدالجلیل بھی وفات پاگئے۔ اور اسی طرح عالم اسلام کے ممتاز مفکر اور داعی مولانا ابوالحسن علی ندوی کی والدہ ماجدہ مرحومہ (جن کا وجود علم وفضل اور زہد وتقویٰ کا ایک نادر نمونہ تھا۔) بھی انتقال کرگئیں۔ — خداوند کریم سب حضرات کو بہترین مقام قرب ورضا سے نوازے اور پسماندگان کو صبر نصیب ہو۔

مضمون نگار حضرات کی خدمت میں گذارش ہے کہ الحق کیلئے لکھے جانے والے مضامین کا مسودہ تیار کرتے وقت یہ خیال رکھا جائے کہ (۱) مسودہ کاغذ کے ایک طرف لکھا جائے۔ (۲) مسودہ میں الفاظ واضح اور مرتب ہوں۔ (۳) عربی اور فارسی الفاظ شکستہ خط میں نہ لکھے جائیں — مسودہ اگر ان اصولوں کے مطابق تیار کیا گیا ہو تو مضامین کی عمدہ ترتیب اور دیدہ زیب کتابت میں بڑی مدد ملتی ہے۔ امید ہے مضمون نگار حضرات الحق کی ظاہری خوبیاں برقرار رکھنے میں پورا پورا تعاون فرمائیں گے۔ "ادارہ"

الحق کو ہم ہر ممکن احتیاط کے ساتھ ہر ماہ تمام خریداروں کی خدمت میں ارسال کرتے ہیں۔ پھر بھی کافی حضرات کی طرف سے شکایتی خطوط آتے ہیں۔ ایسے حضرات کو رسالہ دوبارہ بھیج دیا جاتا ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ محکمہ ڈاک کی اس بدنظمی کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں پھر بھی جہاں تک ممکن ہے ہم شکایات دور کرنے میں کوشاں ہیں۔ — "ادارہ"